بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

جماعت اسلامی کی تشکیل کا استقبال مختلف حلقوں میں مختلف طور پر ہوا ہے۔ کچھ اللہ کے بندے تو ایسے ملتے ہیں جو اس چیز سے واقف ہوتے ہی اسے اس طرح قبول کرتے ہیں گویا کہ وہ پہلے ہی سے اس کے طالب تھے۔ کچھ دوسرے لوگ اس پر غور کرتے ہیں اور مختلف قسم کے شبہات پیش کر کے مزید توضیح چاہتے ہیں۔ کچھ اور لوگوں کے دل نے گواہی دی ہے کہ مخالفت کے لائق اگر کوئی چیز ہے تو یہی ہے۔ اور ایک گروہ کثیر تربّص و انتظار کی روش کو ترجیح دے رہا ہے۔ یہ سب مختلف قسم کے استقبال خلاف توقع نہیں ہیں، پہلے ہی ان کا اندازہ تھا البتہ جو چیز ہمارے اندازے سے بڑھ کر نکلی وہ لبیک کہنے والوں کی تعداد اور ان کی کیفیت ہے۔ ہندوستان کے اس قبرستان میں مشکل ہی سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ اس طرز کے ایک نظام کو قبول کرنے اور اس پر کام کرنے کیلئے ڈیڑھ سو سے زیادہ آدمی ابتدا ہی میں اٹھ کھڑے ہونگے، اور یہ بات اور بھی کم متوقع تھی کہ اس چیز پر لبیک کہنے والے زیادہ تر وہ لوگ ہونگے جو روح و ضمیر کی ان قتل گاہوں سے سندِ موت لے کر نکلے تھے جن کو کالج اور یونیورسٹی کہتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ بات ہمت افزا ہے کہ جن لوگوں نے پیش قدمی کی ہے ان میں سے اکثر کے طرزِ اقدام سے کافی حزم و احتیاط اور احساس ذمہ داری کا اظہار ہوا ہے۔ وہ اس تحریک اور دوسری تحریکوں کے فرق کو سمجھتے ہوئے آ رہے ہیں، انہیں احساس ہے کہ وہ کھیل کے میدان میں نہیں اتر رہے ہیں بلکہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھ رہے ہیں، اسلئے وہ وضع احتیاط کے ساتھ اپنے نفس کا احتساب کرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں کہ جو قدم بھی خدا کی راہ میں اٹھے پھر پیچھے نہ پلٹے، وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ادارہ ... رجسٹرڈ
منصورہ ○ لاہور ○ پاکستان

راہ کے ساتھیوں سے تو آئندہ بہت کچھ کہنا ہے۔ بلکہ اب زیادہ تر باتیں انہی سے ہونگی۔ لہٰذا آج کی صحبت میں ان سے کوئی خطاب نہ ہوگا۔

مخالفت کرنے والے اصحاب سے ہم کو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہمارا دستورِ جماعت اور ہمارے اجتماعِ اول کی روداد، دونوں آپ کے سامنے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے انانیت اور ذاتی شکایات اور جماعتی تعصبات سے ذہن کو خالی کر کے انصاف کے ساتھ ان کو پڑھیے اور اپنے دل سے پوچھیے کہ اگر اصل اسلامی تحریک اور اصل اسلامی نظامِ جماعت کی تجدید کبھی کی جانی ہے تو اس کی عملی صورت آخر اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے جو یہاں اختیار کی گئی ہے؟ اگر کوئی دوسری صورت آپ کے نزدیک زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ ہو تو براہ کرم اسے پیش فرمائیے، آپ ہمارے دل کو قبولِ حق کے لئے کھلا ہوا پائیں گے۔ اور اگر آپ کا دل گواہی دے کہ فی الواقع اس کام کے لئے زیادہ سے زیادہ صحیح طریقہ یہی ہو سکتا تھا جو اختیار کیا گیا ہے تو پھر اس کی مخالفت کرنے سے پہلے ایک مرتبہ اچھی طرح سوچ لیجیے کہ خدا کی عدالت میں جو بازپرس ہوگی اس کا آپ کیا جواب دیں گے۔ ہاں، یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص تحریکِ اسلامی کی تجدید اور نظامِ جماعتِ اسلامی کے احیاء ہی کو سرے سے غیر ضروری سمجھتا ہو۔ ایسے لوگ ہمارے نزدیک کسی التفات کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ان کی مخالفت کو ہم کوئی وزن دینے کے لئے تیار ہیں۔

رہے متربصین تو ان سے ہمیں ابھی کچھ کہنا نہیں ہے۔ جو لوگ گاڑی کو چلتے دیکھ کر ہی اس پر سوار ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ نہ ان کو بلانے کا یہ وقت ہے اور نہ ان کے آنے ہی کا وقت یہ ہے۔ اس وقت تو ضرورت ان کی ہے جو گاڑی بنانے اور پھر اس کے چلانے میں حصہ لینے کو تیار ہوں۔ جب گاڑی چلے گی تو چلتی گاڑی پر بیٹھنے والے خود آنے لگیں گے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ فی الحال وہ بھی انتظار کریں اور ہم بھی۔

اب صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو ہمارے دستور یا ہمارے طریقِ کار کے متعلق کچھ شبہات رکھتے ہیں اور توضیح کے طالب ہیں۔ آج ہمیں انہی سے کچھ عرض کرنا ہے اور ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اس راہ پر آنے میں اگر لوگوں کے لئے کچھ ذہنی رکاوٹیں ہیں تو انہیں دور کیا جائے۔

شبہات پر بحث کرنے سے پہلے ایک بات صاف کر دینی ضروری ہے۔ شبہات پیش کرنے کی ایک غرض تو یہ ہوا کرتی ہے کہ آدمی دل میں تو ایک چیز کے حق ہونے کا معترف ہو جاتا ہے مگر اس کو قبول کرنے اور اس کے لئے کچھ کام کرنے کی تکلیف سے بچنا چاہتا ہے، اس لئے چند شبہات اس ارادہ کے ساتھ سامنے لا کر رکھ دیتا ہے کہ ان کو کسی طرح رفع ہونے نہیں دینا ہے تاکہ حق کو قبول نہ

کرنے کیلئے ایک مستقل حیلہ موجود ہے۔ اور دوسری غرض یہ ہوتی ہے کہ آدمی فی الواقع قبول حق اور تائید حق کے لئے تیار ہوتا ہے بشرطیکہ اسکے شبہات رفع کر دیئے جائیں اور اسے مطمئن کر دیا جائے کہ یہ چیز واقعی حق ہے۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ان بھائیوں کے شبہات دوسری نوعیت کے ہوں، اسی امید پر ہم ان کو جواب بھی دے رہے ہیں۔ لیکن اگر کسی کے شبہات پہلی قسم کے ہوں تو اسکو خدا کی پناہ مانگنی چاہئے کہ یہ ایک بیماری ہے جو انسان کے ضمیر کو بتدریج مسموم کرتے کرتے بالآخر رمق برابر جان بھی اسمیں باقی نہیں چھوڑتی۔

ایک صاحب نے دستور کی دفعہ سوم اور اسکی تشریح پر یہ اعتراض کیا ہے کہ شرعاً تو جماعت اسلامی میں شامل ہونے کیلئے صرف اقرار باللسان کافی ہے، تم نے اسکے ساتھ "سمجھ کر شہادت دینے" کی شرط کا اضافہ کہاں سے کر دیا؟ حالانکہ یہ چیز تکمیل کے درجہ میں مطلوب ہو تو ہو، مگر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کیلئے شرط نہیں ہے۔ کیا وہ شخص جو تمہارے سامنے توحید و رسالت کا زبانی اقرار کرے، اُس کو تم مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کر دوگے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسکو جو حقوق حاصل ہوتے ہیں انہیں اس وقت تک روکے رکھوگے جب تک کہ اسکے ایمان کی تحقیق نہ کر لو؟ اور آخر تمہارے پاس ایمان کی تحقیق کرنے کے ذرائع کیا ہیں؟ کس طرح تم معلوم کروگے کہ ایک شخص مجرد زبانی اقرار نہیں کر رہا ہے بلکہ فی الواقع ایمان لایا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اقرار لسانی بجائے خود دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا پروانہ نہیں ہے بلکہ اس کا جو کچھ بھی اعتبار ہے، اس حیثیت سے ہے کہ زبان آدمی کے مافی الضمیر کی ترجمان ہوتی ہے، اور جو شخص زبان سے کسی بات کا اقرار کرتا ہے اس کے متعلق ابتداءً یہی گمان کیا جاتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہی اس کی مراد بھی ہے۔ ورنہ اصل مقصود عقیدہ، ایمان، تصدیق قلبی ہے نہ کہ مجرد زبانی اقرار۔ قرآن کو اوّل سے آخر تک دیکھ جائیے، ہر جگہ مطالبہ ایمان و اعتقاد کا ہے نہ کہ محض اقرار لسانی کا۔ جتنے دنیوی و اخروی نتائج ہیں، سب کے سب ایمان پر مترتب ہوتے ہیں نہ کہ زبانی دعوے پر۔ تکمیل مدارج کا کیا سوال ہے، ہدایت کا دروازہ آدمی پر کھلتا ہی ایمان کے ذریعہ سے ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ .... وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - اگر کسی اقرار لسانی کی تہ میں تصدیق

قلبی نہ ہو تو اس کا صحیح شرعی نام "نفاق" ہے نہ کہ "اسلام"۔ اس پر لفظ اسلام کا اطلاق جہاں کہیں کیا گیا ہے۔ اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ لغوی معنی میں کیا گیا ہے۔

رہا قانونی حقوق کا سوال تو اقرار لسانی پر یہ حقوق اس وجہ سے حاصل نہیں ہوتے کہ کلمہ طیبہ کے الفاظ کا مجرد تلفظ ان حقوق کا استحقاق پیدا کرتا ہے، بلکہ وہ اس لئے حاصل ہوتے ہیں کہ جو شخص زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے اس کے متعلق بادی النظر میں یہ گمان کرنے کی کافی وجہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ حقیقت میں اُس چیز پر ایمان لایا ہے جس کا وہ اقرار کر رہا ہے۔ تاوقتیکہ اُس کا اقرار جھوٹا ثابت نہ ہو جائے اسے مسلمان ہی سمجھ کر معاملہ کیا جائیگا۔ لیکن جب تحقیق ہو جائے کہ اس کا اقرار جھوٹا تھا تو وہ اُن حقوق سے محروم ہو جائے گا جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسکو حاصل ہوئے تھے، الا یہ کہ مصالح دینی کی بنا پر اسے بعض حقوق سے متمتع ہونے کا موقع دے دیا جائے، جیسا کہ منافقین کے ساتھ کیا گیا۔ اس باب میں قرآن مجید کی یہ آیت صاف رہنمائی کرتی ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ	کے لئے نکلو تو تحقیق کرو اور کسی ایسے شخص کو جو تمہیں سلام کرے
أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء ۱۳)	نہ کہہ دیا کرو کہ تو مومن نہیں ہے

آیت کی شان نزول یہ ہے کہ مسلمان جب جنگ کے لئے نکلتے تھے تو بسا اوقات لڑائیوں کے موقع پر دشمن کے گروہ کا کوئی شخص اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرنے کے لئے السلام علیکم کہدیتا تھا، یا اور کوئی ایسی بات کہتا تھا جو علامت اسلام ہو سکتی تھی۔ بعض مواقع پر ایسا ہوا کہ مسلمانوں نے اس طرح کے اظہار اسلام کو محض جان بچانے کا بہانہ قرار دے کر ایسے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس پر ارشاد ہوا کہ جو شخص تم پر اپنے اسلام کا اظہار کرے اسکے قول کو سرسری طور پر رد کر دینا صحیح نہیں ہے، تمہیں تحقیق کرنی چاہیئے کہ آیا واقعی وہ اسلام ہی لایا ہے یا محض جان بچانے

کیلئے بہانہ کررہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو عصمتِ جان و مال (جو تمام حقوق میں اولین حق ہے) اقرارِ لسانی پر صرف اسلئے حاصل ہوئی کہ ان کا زبانی اقرار حقیقی اسلام کی توقع قائم کرنے کے لئے جائز بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عصمت کا بقا اس امر پر موقوف تھا کہ اس اقرار کی تہ میں حقیقی اسلام کا سراغ ملے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان ناقابلِ تحقیق و تبیین چیز نہیں ہے جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔

اس سے زیادہ واضح آیت وہ ہے جو سورۂ ممتحنہ میں نازل ہوئی ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ، اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ۔ لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَا ھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ (رکوع ۲)	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب ایمان لانے والی عورتیں ہجرت کرکے تمہارے پاس آئیں تو ان کا امتحان لو۔ ان کے ایمان کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ (لیکن تم کو امتحان کے بعد) اگر معلوم ہو جائے کہ وہ مومن عورتیں ہیں تو پھر ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو۔ وہ کفار کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ کفار ان کے لئے حلال ہیں۔

یہ آیت اُن عورتوں کے بارے میں آئی تھی جو اپنے کافر شوہروں کو دارالکفر میں چھوڑ کر دارالاسلام پہنچ جاتی تھیں اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرکے مسلمانوں کے پاس رہنا چاہتی تھیں۔ اُن کے حق میں ارشاد ہوا کہ اُن کا امتحان لو۔ اگرچہ دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے اندر حقیقت میں ایمان ہے یا نہیں۔ لیکن تم کو امتحان سے کر اپنا اطمینان کر لینا چاہئے کہ آیا واقعی انہوں نے اسلام اور کفر کے درمیان تمیز کرکے اسلام کو اختیار کیا ہے یا کسی اور وجہ سے اظہارِ اسلام کر رہی ہیں بغیر اس کے کہ وہ اس پر ایمان لائی ہوں۔ اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ حقیقت میں وہ ایمان لائی ہیں تب تو ان کو کافر شوہروں کے پاس واپس نہ کرو کیونکہ اس صورت میں وہ ان کے لئے حرام ہو چکے ہیں۔ ورنہ انہیں واپس کر دو۔ اس لئے

کہ غیر حقیقی اظہار اسلام سے ان کی حیثیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، اُس کے باوجود وہ کافر شوہروں کے لئے اور کافر شوہر اُن کے لئے بدستور حلال ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجرد کلمہ گوئی کا نام اسلام نہیں ہے بلکہ کلمہ گوئی کی تہ میں ایمان مطلوب ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قانونی حقوق بھی دراصل ایمان ہی پر قائم ہوتے ہیں نہ کہ اظہار اسلام پر (یا یوں سمجھئے کہ اظہار اسلام پر ان حقوق کا قیام حقیقت میں توقع ایمان کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ فی الاصل اِس اظہار پر)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض حالات میں قانونی حقوق اس وقت تک روک بھی دیئے جاتے ہیں جب تک ایمان کی تحقیق نہ ہو جائے (یہ صورت پہلی صورت کے برعکس ہے۔ وہاں عصمت جان و مال کا حق ایمان کی تحقیق ہونے تک کے لئے دے دیا گیا تھا، اور یہاں کافر کے عقد نکاح سے آزادی کا حق ایمان کی تحقیق ہونے تک روک رکھا گیا۔ دونوں صورتوں کے فرق کی بحث یہاں غیر متعلق ہے)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خارجی ذرائع سے ایمان کی تحقیق کی جا سکتی ہے اور اس تحقیق سے اگر کسی اقرار لسانی کی تہ میں ایمان کا سراغ نہ ملے اور اس بنا پر اُس اقرار کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے تو از روئے قرآن یہ بالکل ایک صحیح فعل ہوگا۔

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی اس آیت کے نزول کے بعد جب کوئی بیاہتا عورت مکہ سے مدینہ آتی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اُس سے حلفیہ دریافت کیا جاتا تھا:۔

ماخرجت من بغض زوج ؟	تو اس لئے تو نہیں نکلی ہے کہ شوہر سے نفرت کرتی تھی ؟
وماخرجت رغبۃ من ارض الی ارض ؟	اور اسلئے تو نہیں نکلی ہے کہ محض ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا شوق چرایا تھا ؟
وماخرجت التماس دنیا ؟	اور تیرے نکلنے کی وجہ دنیا کی طلب تو نہیں ہے ؟
وماجاء بك عشق رجلٍ منّا ؟	اور تجھ کو ہمارے آدمیوں میں سے کسی کا عشق تو کھینچ نہیں لایا ہے ؟
وماخرجت الاحبًا للہ ورسولہ ؟	اور اللہ و رسول کی محبت کے سوا تیرے نکلنے کی کوئی اور غرض تو نہیں ہے ؟

جب اس تفتیش سے یہ اطمینان ہو جاتا کہ عورت واقعی دین اسلام کی خاطر نکل کر آئی ہے تو اس کو رکھ لیا جاتا تھا، ورنہ مکہ واپس بھیج دیا جاتا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر و ابن کثیر)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان کی تحقیق کے معنی دل چیر کر دیکھنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو شخص ایمان کا دعویٰ کر رہا ہے اس کا امتحان لے کر اطمینان کر لیا جائے۔

بس یہی وہ چیز ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ ہم بھی کلمہ طیبہ کا زبانی اقرار کرنے والے کے سامنے کلمہ کا مفہوم پیش کریں گے اور اس سے دریافت کریں گے کہ کیا واقعی وہ اسی چیز کا اقرار کر رہا ہے؟ کیا فی الواقع وہ فلاں فلاں معنی میں غیر اللہ کی الٰہیت کا منکر اور صرف اللہ کی الٰہیت کا قائل ہے؟ کیا حقیقت میں وہ اعتقاد توحید و رسالت کے فلاں فلاں مقتضیات کو جانتا ہے اور پھر اس اعتقاد کو اختیار کرتا ہے؟ کیا درحقیقت اس نے اسلام اور غیر اسلام کے فرق کا شعور رکھتے ہوئے غیر اسلام کے راستہ کو چھوڑ کر اسلام کے راستہ کو اپنے لئے منتخب کیا ہے؟ اس امتحان سے جب ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ اس کا زبانی اقرار درحقیقت اس کے قلب کا ترجمان ہے اور واقعی وہ جان بوجھ کر ایمان لایا ہے یا رکھتا ہے تب ہم اس کو جماعت میں لیں گے۔

اس معاملہ میں نہ صرف یہ کہ ہمارا طریقہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے، بلکہ فی الواقع ایک صحیح اسلامی جماعت بنانے کی اس کے سوا کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں اور اس کلمہ گو برادری کے تمام افراد کو بھرتی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، تو اس برادری میں تو لاکھوں افراد ایسے ہیں جو کلمہ تک سے نابلد ہیں، اور کروڑوں ایسے ہیں جو کلمہ گو تو ہیں مگر اس کے باوجود ہر قسم کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا ہیں کیونکہ ان کی کلمہ گوئی کسی ذی شعور و اختیار کا نتیجہ نہیں بلکہ محض مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسی بھیڑ بھاڑ کو جمع کر کے آخر کونسا صحیح کام کیا جا سکتا ہے؟ محض قومی مفاد کی خدمت مطلوب ہو تو بلاشبہ ان مختلف النوع عناصر کو اکٹھا کر لینا مفید ہو سکتا ہے، لیکن اگر اعلائے کلمۃ اللہ مقصود ہو تو جو لوگ کلمۃ اللہ کو خود نہ جانتے ہوں اور جو خود ہی اس کی صحیح

سے خالی ہوں وہ اس کا اعلا رکیا خاک کریں گے۔

یہ ایسی سیدھی سی بات ہے جس کو ایک سیدھی ذہنیت رکھنے والا آدمی بغیر کسی دقت کے سمجھ لیتا ہے لیکن جن لوگوں کے ذہن میں ٹیڑھ ہے وہ اس کے اندر سے یہ عجیب معنی نکالتے ہیں کہ ہم کلمہ گوؤں کی تکفیر کر رہے ہیں حتی کہ ایک صاحب نے تو راقم الحروف کو اسی بنیاد پر مکفر امت کا لقب بھی عطا فرما دیا ہے حالانکہ دراصل ہم نے یہ حکمت عملی خود کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی رہنمائی سے ہی اختیار کی ہے، اور اس کا اصل مقصد اس کلمہ گو برادری کو غیر شعوری اسلام سے شعوری اسلام کی طرف کھینچنا ہے نہ کہ الٹا کفر کی طرف دھکیل دینا۔ ان میں سے جو لوگ اس وقت صحیح العقیدہ مومن ہیں پہلے ہم صرف ان کی تنظیم کر کے ایک جماعت بناتے ہیں، پھر انکے واسطہ سے ہم کوشش کریں گے کہ بے معنی کلمہ گوؤں کو بامعنی کلمہ گو بنائیں، پھر جو جو اللہ کے بندے ان میں سے بامعنی کلمہ گو بنتے جائیں گے ان کو ہم جماعت میں لیکر آگے اور زیادہ وسیع پیمانہ پر کوشش کرینگے کہ ان کے جو بھائی ابھی تک جاہلیت میں مبتلا ہیں ان کو یہ لوگ تاریکی سے نور کی طرف نکال کر لائیں۔ یہ وہ گناہ عظیم ہے جس کی پاداش میں ہم کو تکفیر مسلمین کا الزام دیا جا رہا ہے۔ جو شخص اصلاح کی غرض سے صالح اور فاسد اجزاء کے مخلوط مجموعہ میں سے صالح اجزاء کو الگ چھانٹتا ہو اور پھر ان کو منظم کر کے فاسد اجزاء کو ان کی طاقت سے صالح بنانا چاہتا ہو اسے مفسد قرار دینا ایک ایسا عجیب بہتان ہے جسے سن کر واقعی انسان مبہوت رہ جاتا ہے۔

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

آخر کوئی اللہ کا بندہ یہ تو بتائے کہ اصلاح کی اس کے سوا اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

دوسرا اہم اعتراض، جو متعدد حضرات کی طرف سے پیش کیا گیا ہے، دستور کی دفعہ چہارم پر ہے، جس میں کلمۂ شہادت کے علاوہ چند چیزوں کو جماعت اسلامی کی رکنیت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جس شخص کی

زندگی میں یہ تغیرات نورًا رونما نہ ہوں گے اُس کے متعلق یہ سمجھا جائیگا کہ وہ کلمۂ شہادت ادا کرنے میں صادق نہ تھا اور اسے جماعت سے خارج کر دیا جائیگا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ خدا اور رسول نے مسلمان ہونے کے لئے صرف کلمۂ شہادت کو کافی قرار دیا ہے۔ اگر تم اس کو ناکافی سمجھ کر چند مزید شرطوں کا اضافہ کر رہے ہو۔ یہ اگر تمہاری اپنی ایجاد ہے تو دین میں اس اضافہ کا حق تمہیں کہاں سے حاصل ہوگیا؟ اور اگر تمہاری ایجاد نہیں ہے تو ان شرطوں کا ماخذ کیا ہے؟ کہاں سے تم نے یہ بات نکالی کہ آدمی کی زندگی میں فلاں فلاں تغیرات کا رونما ہونا صدقِ ایمانی کی علامت ہے اور اگر وہ تغیرات رونما نہ ہوں تو تم ایک مسلمان کے اقرارِ لسانی کو جھوٹا قرار دے کر اسے جماعتِ اسلامی سے خارج کر دوگے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اس چیز کا ماخذ ہے۔ وہ قرآن ہی ہے جو مدعیِ ایمان کے طرزِ عمل کو اس کے صدق و کذب کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔ اس نے زندگی کے بعض عملی مظاہر کو صدقِ ایمانی کی لازمی علامت ٹھیرایا ہے اور جس شخص کی زندگی میں وہ مظاہر نہ پائے جائیں اُس کو مومن تسلیم کرنے سے ایسے صریح الفاظ میں انکار کیا ہے جو تاویل کے متحمل بھی نہیں ہیں۔

ارشاد ہے:۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗۤ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (الانفال۔۱) اگر تم مومن ہو تو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

"اگر تم مومن ہو" کے الفاظ پر غور کیجئے۔ کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت نہ کرے وہ مومن نہیں ہے؟ پھر اگر یہ کہا جائے کہ اطاعت خدا و رسول شرط ایمان ہے اور خدا و رسول کی نافرمانی منافی ایمان، تو کلمۂ شہادت پر اس شرط کا اضافہ ہم کر رہے ہیں یا خود قرآن کر رہا ہے؟

بعض جاہلوں نے کہیں سے یہ سن لیا ہے کہ خوارج معصیت کبیرہ کو کفر قرار دیتے ہیں، اس لئے وہ اس بات کو سن کر بے تکلف پکار اُٹھتے ہیں کہ یہ خارجیت ہے۔ ان نادانوں کے نزدیک سنیت یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی جتنی چاہو نافرمانی کرو اور تمام عمر کرتے رہو، ایمان پر بہرحال آنچ نہیں آتی۔ حالانکہ یہ چیز جس کو یہ لوگ مسلک

اہل سنت سمجھ بیٹھے ہیں دراصل فرقۂ مرجیہ کا مسلک ہے جس نے خوارج سے بڑھ کر اسلام کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ نادانستگی میں کبیرہ کا مرتکب ہو جانا اور چیز ہے۔ اور دانستہ کبائر کا ارتکاب کرنا اور کرتے رہنا اور اسی کو پیشہ اور معاش اور طرزِ زندگی بنا لینا اور اسی میں عمر بسر کر دینا بالکل ایک دوسری چیز۔ دونوں کی نوعیت جدا ہے، اور دونوں کے احکام جدا ہیں۔ مومن سے نادانستگی میں بشری کمزوری کی بنا پر بڑے سے بڑا گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور وہ مستلزم کفر نہیں ہے، مگر مومن جب کبھی ایسا فعل کرتا ہے، شیطانی اثر کے عارضی غلبہ سے کرتا ہے، اور جونہی کہ وہ اثر زائل ہوتا ہے، ایمان کی تاثیر سے فوراً اس کو ندامت و شرمساری لاحق ہوتی ہے، خدا کے خوف سے وہ کانپ اٹھتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔ بخلاف اس کے جس شخص کے دل میں ایمان نہیں ہوتا وہ سوچ سمجھ کر منصوبے گانٹھ کر گناہ کرتا ہے، اور اس کا ارتکاب کر کے نادم ہونے کے بجائے لذت اور سرور اور کامرانی محسوس کرتا ہے اور پھر اسی کے ارتکاب کی فکر میں لگا رہتا ہے اور اس کو زندگی کی گذران کا مشغلہ یا ذریعہ بنائے رکھتا ہے۔ خوارج کی غلطی یہ ہے کہ وہ پہلی حالت کو کفر کی حالت قرار دیتے ہیں۔ اور مرجیہ کی غلطی یہ ہے کہ وہ دوسری حالت کو بھی ایمان کی حالت سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن ان دونوں میں فرق کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ

توبہ تو اللہ کے ذمہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے برا کام کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی میں توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ معاف کر دے گا اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ مگر توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے مرنے کا وقت قریب آجاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔ اور نہ توبہ ان کے لئے ہے جو حالتِ کفر ہی میں جان دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب

عَذَابًا اَلِيْمًا۔ (النساء۔۳) مہیا کر رکھا ہے۔

قرآن کی رُو سے مومن کی تعریف یہ ہے :۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران۔۱۴)

اور جو اگر کبھی کسی فعل قبیح کے مرتکب ہو جاتے ہیں یا اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتے ہیں (یعنی گناہ کر لیتے ہیں) تو ان کو اللہ یاد آجاتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں ۔ آخر اللہ کے سوا اور کون گناہ معاف کرنے والا ہو گا۔ اور وہ اپنے فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔

پس قرآن مجرّد معصیت کبیرہ کے مرتکب کو غیر مومن نہیں کہتا، مگر ان لوگوں کو مومن تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرتا ہے جو خدا اور رسول کے صریح احکام کی پیہم خلاف ورزی کرتے رہیں اور اسی خلاف ورزی کو اپنے لئے ذریعۂ معاش یا ذریعۂ لطف زندگانی بنائیں ، اور خدا اور رسول کے امتناعی احکام سے واقف ہو کر بھی اپنے اس طرز عمل سے باز نہ آئیں۔

اس کے بعد اور آگے چلئے ۔ ارشاد ہے :۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ (التوبہ۔۲)

پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

توبہ سے مراد مشرکانہ یا ملحدانہ عقائد و اعمال اور جاہلیت کے طور طریقوں سے توبہ ہے اور اس کے معنی محض زبان سے توبہ توبہ کرنے کے نہیں ہیں بلکہ عملاً ان چیزوں کو چھوڑ کر اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرنے کے ہیں ۔ قرآن اس توبہ کو اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کو جماعت اسلامی میں داخل ہونے کی شرط لازم قرار دیتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا، بلکہ یہاں تک کہتا ہے کہ :۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو
فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (التوبہ-۱)	ان کے ساتھ جنگ کرنے سے باز رہو۔

یہی وہ آیت ہے جس سے سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے لیے استدلال کیا تھا اور جسے سن کر تمام صحابہ نے تسلیم کرلیا تھا کہ فی الواقع منع زکوٰۃ ایک مدعی ایمان گروہ کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے کافی وجہ جواز ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی حکم نماز کا بھی ہوگا، بلکہ جب آیت میں نماز زکوٰۃ پر مقدم ہے تو نماز پر اس کا اطلاق بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ اب اگر کوئی کہے کہ ترک صلوٰۃ و زکوٰۃ منافی ایمان ہے، اور جو لوگ ان دونوں چیزوں کی پابندی سے آزاد ہیں ان کا دعوائے ایمان غلط ہے تو کیا اس کا یہ قول قرآن کے خلاف ہوگا؟

اور دیکھیے:۔

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا	اُس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ-۳۶)	اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا۔

یہاں ریاکارانہ خرچ کرنے والے کے ایمان کا صاف انکار کیا جارہا ہے کیونکہ اس کا یہ طرز عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی الٰہ پبلک ہے نہ کہ اللہ اور وہ دنیا کے صلہ کو صلہ سمجھتا ہے نہ کہ آخرت کے صلہ کو۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا	پورا ماپو اور پورا تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں
النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي	نقصان نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ جبکہ اس کی اصلاح
الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	کی جاچکی ہے۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (اعراف-۱۱)	مومن ہو۔

یہاں لین دین میں خیانت کرنے اور لوگوں کے حقوق مارنے اور بد معاملگی سے نظام تمدن میں خرابی پھیلانے کو منافی ایمان قرار دیا جارہا ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ - ۲۸)	اور (مطلقہ عورتوں کے لئے) جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو حمل پیدا کیا ہو اس کو وہ (زمانۂ عدت میں) چھپائیں اگر وہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہیں۔

اور طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا:۔

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ - ۳۰)	یہ ہدایت اُس کو کی جا رہی ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو۔

یہاں اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ حدود و شرائع کی پابندی کو لازمۂ ایمان اور ان کی خلاف ورزی کو منافی ایمان بتایا جا رہا ہے۔

یہ سب آیات صریح طور پر انسان کے طرز عمل کو اس کے صدق ایمان کی کسوٹی قرار دے رہی ہیں اور طرز عمل ہی کی دلیل پر دعوئے ایمان کے صدق و کذب کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔

پھر ملاحظہ ہو:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (النساء - ۹)	کیا تونے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس شریعت پر جو تیری طرف نازل کی گئی ہے اور جو تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کی طرف نازل کی گئی تھی اور پھر ارادہ یہ رکھتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ طاغوت سے کفر کریں۔
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى	تو خدا کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اے نبی، تجھ کو

يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ اُس معاملہ میں فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کریں جو ان کے

(النساء۔ ۹) درمیان مابہ النزاع ہو

یہاں صریح الفاظ میں اس شخص کو مومن تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا ہے جو قانون الٰہی کے بجائے غیر الٰہی قانون کی طرف اپنے معاملات میں رجوع کرے اور اُن عدالتوں سے فیصلہ چاہے جو خدا کے قانون کی اطاعت پر قائم نہ ہوں بلکہ غیر اللہ کا قانون نافذ کرتی ہوں۔ یہ ہے اس قانون کو نافذ کرنے والے تو ان کا معاملہ سخت تر ہے کہ قرآن صریح الفاظ میں نہیں طاغوت (باغی اور حد بندگی سے گذرا ہوا) قرار دیتا ہے۔ اور اس سے شدید تر معاملہ اُن کا ہے جو اللہ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر اس کے بندوں کے لیے خود قوانین وضع کرتے ہیں، کیونکہ یہ تو اللہ کے ساتھ حاکمیت میں حصہ بٹانا ہے (اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ)

اب ذرا ان آیات پر بھی نگاہ ڈال لیجئے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (المائدہ۔ ۹)

اے ایمان لانے والو! اگر تم مومن ہو تو ان اہل کتاب کو جو تمہارے دین کا مذاق اور کھیل بناتے ہیں اور کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ (المجادلہ۔ ۳)

جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں اُن کو تم ایسے لوگوں سے دوستی رکھنے والا نہ پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (التوبہ ۔ ۲)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون ہیں جنہوں نے اس کی راہ میں جانفشانی کی اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی سے اندرونی تعلق نہیں رکھا۔

یہاں صاف کہا جا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچی وفاداری شرط ایمان ہے، اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے باغی اور رسول کے مشن کی اشاعت و ترقی میں مانع و مزاحم ہوں ان سے دوستی، محبت اور وفاداری کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ اس قسم کا ہر تعلق ایمان کے منافی ہے۔

آخر میں ایک نظر ادھر بھی :۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ...... إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ (الحجرات ۔ ۲)

عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ۔ ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں، ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے .... اصل میں مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جدوجہد کی یہی لوگ سچے اہل ایمان ہیں۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔

جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو تم سے کبھی درخواست نہ کریں گے کہ انہیں راہ خدا میں جانفشانی و صرف مال سے معاف رکھا جائے، اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۲۸۹)

(بقیہ اشارات صفحہ ۲۶۴/۱۶ سے آگے)

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ — تم سے معذرت صرف وہی لوگ چاہتے ہیں جو اللہ اور یوم
الْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ۔ (التوبہ - ۷) — آخر پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دلوں میں شک ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ — جس روز دونوں پارٹیوں کا مقابلہ ہوا اُس دن تم پر جو مصیبت
فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيَعْلَمَ — نازل ہوئی وہ اللہ کے اذن سے تھی اور اس لئے تھی کہ اللہ دیکھنا
الَّذِينَ نَافَقُوا۔ (آل عمران - ۱۷) — چاہتا تھا کہ مومن کون ہیں اور منافق کون۔

معلوم ہوا کہ مدعی ایمان کا سچ اور جھوٹ قطعی طور پر جس بات سے کھلتا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کفر و اسلام کی کشمکش میں اسلام کے لئے کتنی جانفشانی دکھاتا ہے، کتنی محنت، کتنا وقت، کتنا مال صرف کرتا ہے، کتنے خطرات اور کتنے نقصانات اُس چیز کے لئے برداشت کرتا ہے جس کے برحق ہونے پر وہ کہتا ہے کہ میں ایمان لایا ہوں۔ یہ ایمان پیمائی کا ایسا مقیاس ہے جو اندر چھپی ہوئی مقدار ایمان کا پورا اندازہ بتا دیتا ہے۔ جو اس معاملہ میں پیچھے ہٹ گیا میں نہیں کہتا بلکہ قرآن کہتا ہے کہ اس کا پیچھے ہٹنا اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اس کے اندر ایمان نہیں ہے۔

اب اُن شرائط پر ایک نگاہ ڈالیئے جو ہم نے جماعت اسلامی کی رکنیت کے لئے بیان کی ہیں۔ ان میں ایسی کونسی چیز ہے جس کے ماخذ کا قرآن میں پتہ نہیں چلتا؟ قرآن کی بیان کردہ شرائط پر اضافہ تو درکنار ہم کو تو یہ خوف ہے کہ کہیں اُن میں تخفیف کرنے کا الزام ہم پر نہ آجائے۔

رہی یہ چیز کہ اہل ایمان کے گروہ میں داخل کرتے وقت لوگوں سے کلمۂ شہادت کے علاوہ بھی بعض چیزوں کا عہد لیا جائے، تو اس کا ثبوت بھی قرآن اور حدیث دونوں سے ملتا ہے اور اس میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے جو قاعدۂ کلیہ ہم نے مستنبط کیا ہے وہ یہ ہے کہ وقت

کے حالات کو ملحوظ رکھ کر اُن برائیوں کے ترک کرنے کا عہد لیا جائے جو سوسائٹی میں عام طور پر پھیلی ہوئی ہوں، اور اسی طرح اُن چیزوں کے التزام کا عہد لیا جائے جن کی اسلامی تحریک کے لئے زیادہ ضرورت ہو۔ مثلاً سورۂ ممتحنہ میں عورتوں سے خاص طور پر اُن برائیوں سے اجتناب کا عہد لینے کی ہدایت کی گئی جو اُس وقت عرب کی عورتوں میں پھیلی ہوئی تھیں:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (الممتحنہ ع۲)

اے نبی، جب تمہارے پاس ایمان لانے والی عورتیں آئیں اور تم سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں گی اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ رکھیں گی اور نیک کاموں میں تمہارے حکم سے سرتابی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے دعائے مغفرت کرو (کہ پہلے جو کچھ ہو چکا اللہ اسے معاف فرمائے)، یقیناً اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اسی طرح بیعت عقبہ کے موقع پر جب انصار کا وفد اسلام قبول کرنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ نے ان سے صرف کلمہ ہی نہیں پڑھوایا تھا بلکہ اور بھی چند باتوں کا عہد لیا تھا۔ حضرت عبادۃ بن صامت سے متعدد روایتوں میں اس عہد کے مختلف حصے مروی ہیں جنکو ملا کر پورے معاہدۂ بیعت کا مضمون اس طرح بنتا ہے:۔

قال وحوله عصابة من اصحابه بايعوني على ان لا تشركوا بالله شيئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادكم ولا تاتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم

صحابہ کے ایک گروہ کی موجودگی میں آپ نے ہم سے فرمایا کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ رکھو گے اور نیک کاموں

ولا تعصونی فی معروف (بخاری کتاب الایمان)

میں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو گے۔

بایعناہ علی ان لا نشرک باللہ شیئاً ولا نسرق ولا نزنی ولا نقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا ننتھب ولا نقضی۔ او قال ولا نعصی۔ (بخاری باب وفود الانصار)

ہم نے آپ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائینگے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کرینگے کسی جان کو جسکی حرمت اللہ نے قائم کی ہے حق کے بغیر قتل نہ کرینگے، لوٹ مار نہ کرینگے، اور اپنے معاملات کا فیصلہ خود نہ کرلینگے (یعنی قانون اپنے ہاتھ میں نہ لینگے) یا یہ کہا کہ نافرمانی نہ کریں گے۔

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی النشاط والکسل وعلی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وعلی ان نقول بالحق ولا نخاف فی اللہ لومۃ لائم وعلی ان ننصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قدم علینا یثرب نمنعہ مما نمنع منہ انفسنا وازواجنا وابناءنا ولنا الجنۃ (مسند احمد)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ مصیبت اور راحت دونوں میں حکم سنیں گے اور مانیں گے، بھلائی کا حکم کرینگے اور برائی سے روکینگے، حق بات کہیں گے اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کریں گے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب یثرب تشریف لے آئینگے تو ہم آپ کی مدد کرینگے حتیٰ کہ جس طرح اپنی جانوں کی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اس طرح آپکی حفاظت کرینگے اور ہمیں جنت کے سوا کوئی دنیوی صلہ مطلوب نہیں ہے۔

انہی نظائر کو پیش نظر رکھ کر ہم نے جماعت اسلامی کی رکنیت کے لئے کلمہ شہادت کے علاوہ چند شرائط تجویز کی ہیں جن میں سے بعض کا پورا کرنا لازم ہے اور بعض کے مطابق بتدریج اپنی زندگی کی اصلاح کرنے کا ہر شخص کو عہد کرنا ہوگا ان شرائط کو تجویز کرنے میں ہم نے خدا اور رسول کی ہدایات کے ساتھ وقت کے حالات اور ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی نقص ان میں باقی رہ گیا ہو تو وہ ہمارے اپنے قصور علم کا نتیجہ ہے، اللہ ہمیں اس کی اصلاح کی توفیق بخشے۔